اسلام کے اصولِ معاہدات

(از: شیخ محمد شلتوت، مصری)

دعوتِ اسلامی سے پہلے عالمِ انسانی پر جس چیز نے اپنا سکّہ جاری کر رکھا تھا اُسے اگر ہم ایک کلمے سے تعبیر کریں تو وہ "خود سری" تھی۔ عقیدہ و فکر پر اسی کا تسلط تھا، اجتماعی تعلقات میں اسی کی کارفرمائی تھی۔ نظامِ حکومت اسی کے زیر اثر تھا ـــــــ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ حیوانی جذبات اور بہیمانہ جوش و جنون ہی دراصل عالمِ انسانی کے کرتا دھرتا تھے، انہی کے ہاتھ میں اقتدار و اختیار کی زمام تھی اور انہی کی منشا کے مطابق تعلقات و روابط طے پاتے تھے۔

اب ظاہر ہے کہ حیوانی جذبات کی قلمرو میں فرد اور فرد کے مابین اور قوم اور قوم کے درمیان تعلقات کی نوعیت قوت اور کمزوری کے پیمانہ کے لحاظ سے ہی متعیّن ہو سکتی ہے چنانچہ اُس وقت بھی یہی پیمانہ رائج تھا اور اسی کے نتیجے میں طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا، توانا ناتواں کا حق غصب کر لینے میں کوئی حرج نہ سمجھتا تھا اور غالب مغلوب کا خون نچوڑ لینے کو پیدائشی حق تصور کرتا تھا۔ الغرض قوت و قہر، جبروت و کبریائی اور سلب و نہب کی ہر سو فرمانروائی تھی۔

اسلام کی داخلی و خارجی سیاست کا سنگِ بنیاد

ان ہنگامہ ہائے رستاخیز اور غلغلہ ہائے داروگیر کے عین شباب میں خورشیدِ اسلام مطلع عالم پر نمودار ہُوا۔ اس کی عالمتاب شعاعوں کے ذریعے ذاتِ خداوندی نے انسانوں پر امن و سلامتی کی راہ کھولی اور کفر اور سرکشی کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و رحمت کے نور کی جانب ان کی رہنمائی کی چنانچہ اسلام نے اس سرکش اور جارح ماحول کے اندر انسانوں کو وحدتِ انسانیت کی دعوت دی ـ اس وحدت میں قومیت و رنگ و نسل کی بنا پر تفرقہ اندازی اور گروہ سازی کا کوئی شائبہ نہ تھا۔ اسی طرح اسلام نے دوسرے جس اصول کا اعلان کیا وہ بے لوث عدل و انصاف تھا جو یگانے اور بیگانے کے تصور سے پاک، دوست و دشمن کی تفریق سے ناآشنا، قوی و ضعیف کے امتیاز سے

مبرا ــــ بلکہ مومن اور کافر کی تمیز تک سے بے لاگ تھا۔ اسی حقیقت کی جانب قرآن توجہ دلاتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۔ (النساء : ۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے (یعنی صرف خدا کی خوشنودی کی خاطر) گواہ بنو۔ اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

ان دونوں اصولوں ــــ وحدتِ انسانیت اور بے لاگ عدل ــــ کی بنیاد پر اسلام نے اپنی مصلحانہ اجتماعی پالیسی کی عمارت قائم کی اور انہی کے تحت مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت متعین کی اور انہی کی روشنی میں مسلمانوں اور غیر مسلم قوموں کے مابین اصول روابط وضع کیے۔ اور پھر مسلمانوں اور غیر قوموں کے درمیان جنگ اور صلح کی دونوں حالتوں میں اپنی اس پالیسی کی انتہائی پابندی کی۔ اور اس سلسلے میں یہاں تک اعتنا برتا کہ بین الاقوامی تعلقات کے ان تمام قواعد و ضوابط کو تفصیل سے بیان کر دیا۔ جو قومی وجود کے تحفظ اور دنیا میں عدل و انصاف کا پرچارک بننے کے لیے ناگزیر ہیں۔

ہم یہاں ان تمام بین الاقوامی ضابطوں میں صرف معاہدات کو دو پہلوؤں سے بیان کریں گے۔ ایک یہ کہ وہ اصول کیا ہیں جنہیں اسلام کسی دوسرے شخص یا گروہ یا قوم سے معاہدہ استوار کرنے کی اساس قرار دیتا ہے، اور دوسرا یہ کہ معاہدے کے ایفاء اور معاہدے کے فسخ کے بارے میں اسلام کی

کیا ہدایات ہمیں ملتی ہیں؟

توثیقِ معاہدہ کے بارے میں اسلام کی شرائط پہلی شق یعنی توثیقِ معاہدہ کی اساس کے بارے میں اسلامی نقطۂ نگاہ کا ماحصل یہ ہے کہ:-

(ا) اسلام کسی غیر قوم یا گروہ سے کوئی ایسا معاہدہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو اسلام کے اساسی اصولوں اور اس کی بنیادی تعلیمات پر اثر انداز ہوتا ہو۔

(ب) اسلام کی نگاہ میں صحیح اور قابلِ انفاذ وہی معاہدہ ہے جس کے طے کرنے میں دونوں فریقوں کی آزادانہ رضامندی اور اطمینانِ قلب شامل ہو۔

(ج) یہ ضروری ہے کہ جو معاہدہ بھی کیا جائے اُسے ایک واضح اور غیر مبہم دستاویز کی صورت دی جائے جس میں دونوں فریقوں کے حقوق و فرائض اور شرائط و التزامات کو صاف صاف متعین کر دیا گیا ہو تاکہ کسی فریق کے لیے غلط تاویل و تعبیر کی گنجائش باقی نہ رہے۔

مذکورۂ بالا تینوں اصولوں کے مطالعے سے یہ بات از خود واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی نگاہ میں ایسا کوئی معاہدہ قابلِ قبول نہیں ہے جس میں کوئی ایسا جز پایا جاتا ہو جو بالواسطہ یا بلاواسطہ خود بلادِ مسلمین کے اندر اسلام کی بے حرمتی کا باعث ہو جیسے اللہ کے نازل کردہ قوانین کے خلاف فیصلوں کو جائز قرار دینا، یا غیر مسلموں کو بلادِ مسلمین کے اندر ایسے حقوق عطا کر دینا جو مسلمانوں کے اختیاراتِ حکومت کی نفی کرنے ہوں۔ اسی طرح اسلام کسی ایسے معاہدے کو بھی سندِ جواز نہیں دیتا جو تخویف و تہدید، قہر و غلبہ اور حالات کا دباؤ ڈال کر منعقد کیا گیا ہو۔ اور نہ ہی اسلام کسی ایسے معاہدے کو تسلیم کرتا ہے جو الفاظ کی حد تک تو معاہدہ ہو لیکن یہ الفاظ صرف شاطرانہ فریب کاری کے لیے ہوں ورنہ فی الحقیقت یہ معاہدہ فریقِ ثانی کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے اور اُس کی دولت و ثروت کو ہڑپ کرنے کے لیے بطورِ حربہ اختیار کیا گیا ہو۔

مذکورہ قواعد کے دلائل مذکورہ بالا قواعد و ضوابط کا ایک عام ماخذ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ مبارک ہے کہ کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل (جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ

باطل ہے، لیکن ہمیں اس سلسلے میں قرآن کریم کی واضح نصوص بھی ملتی ہیں، مثلاً معاہدات کو فریب کاری کا ہتھیار بنانے کی ممانعت میں قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امۃ ھی اربی من امۃ۔ انما یبلوکم اللہ بہ۔ (النحل)

تم اپنی قسموں کو آپس کے معاملات میں مکر و فریب کا ہتھیار بناتے ہو تاکہ ایک قوم دوسری قوم سے بڑھ کر فائدے حاصل کرے، حالانکہ اللہ اس عہد و پیمان کے ذریعے تم کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔

ولا تتخذوا ایمانکم دخلا بینکم فتزل قدم بعد ثبوتھا۔ (النحل)

(اور اے مسلمانو!) تم اپنی قسموں کو آپس میں ایک دوسرے کو دھوکہ دینے کا ذریعہ نہ بنا لینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی قدم جمنے کے بعد اکھڑ جائے۔

ان آیات میں قسموں سے مراد وہ حلف ہیں جو توثیق معاہدات کے وقت اٹھائے جاتے ہیں یا وہ قول و قرار ہیں جن کی اطاعت کا عہد ایک دوسرے سے کیا جاتا ہے۔ اسی طرح لفظ دخل کے معنی فریب کاری، منافقت، جعل سازی اور ریشہ دوانی کے ہیں۔ موجودہ ڈپلومیسی میں جس فریب کاری کو عین دانشمندی اور فتح تصور کیا جاتا ہے، اسلام کی نگاہ میں توثیق معاہدہ کے بعد اس قسم کی فریب کاری سخت ملعون اور قابل مذمت ہے۔

اسلام کے ان اصول معاہدات کو آپ ایک جانب رکھیں اور دوسری جانب ان معاہدات کو رکھیں جو دور حاضر میں ترقی یافتہ اقوام کی طرف سے طے کیے جاتے ہیں، ان دونوں کے موازنہ سے یہ بات ایک کھلی حقیقت کی طرح آپ کے سامنے آجائے گی کہ ان اقوام کے معاہدات کمزور قوموں کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ انہیں لقمہ تر بنانے کے لیے ہیں، امن و سلامتی کی پناہ گاہ نہیں بلکہ شر و فساد کا سرچشمہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان معاہدات نے پوری دنیا کو سعادت و فلاح سے بہرہ ور کرنے کے بجائے شقاوت و نکبت کے جہنم میں جھونک رکھا ہے۔

معاہدہ کے ایفاء و نقض کے بارے میں اسلامی احکام | اسلام اس امر کا پُرجوش علمبردار ہے کہ جب کوئی

معاہدہ سابقہ اصولوں کی روشنی میں صحت مندانہ طریقے سے طے پا جائے تو جب تک وہ معاہدہ قائم ہے اُس کی ہر لحاظ سے ظاہراً و باطناً وفاداری اور پابندی کی جائے۔ اور اُس کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی کرنے یا کسی تقاضے کو پامال کرنے کی قطعاً اجازت نہ دی جائے۔ قرآن کریم نے اس بارے میں نہایت صریح اور محکم ہدایت کر دی ہے :-

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل)

عہد کی پابندی کرو، بے شک عہد کے بارے میں تم کو پوری پوری جواب دہی کرنی ہوگی۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (النحل)

اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے کوئی عہد اس سے باندھا ہو، اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو۔

ان دونوں آیات میں محض اخلاقی ہدایت ہی نہیں دی گئی ہے، بلکہ یہ اسلامی حکومت کی داخلی و خارجی سیاست کی سنگِ بنیاد قرار پائی ہیں۔

نقضِ معاہدہ کے لیے اسلام نے صرف دو ہی صورتیں قرار دی ہیں :-

پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کو فریقِ ثانی سے یہ اندیشہ لاحق ہو کہ وہ عہد کی پابندی میں کوتاہی برت رہا ہے یا وہ موقع پاتے ہی ہمارے ساتھ غداری کر بیٹھے گا، اس صورت میں اسلامی حکومت کو یہ اجازت ہے کہ وہ خود اقدام کر کے معاہدے کو فسخ کر دے، لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ وہ صرف اپنی جگہ پر فسخِ معاہدہ کا فیصلہ کر کے نہ بیٹھ رہے بلکہ اپنے اس فیصلے سے فریقِ ثانی کو فوراً مطلع کر دے، سورۂ انفال میں اللہ تعالیٰ نے اسی صورت کو بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے :-

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ [1]

اور اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا خدشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو، یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

---

[1] یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کی تشریح میں صاحبِ تفہیم القرآن نے جو نوٹ رقم فرمایا ہے اُس کا مطالعہ بھی کر لیا جائے :- (مترجم) (دیکھیے اگلے صفحہ پر)

دوسری صورت یہ ہے کہ معاہدہ پہلے خاص حالات کے تحت طے کیا گیا ہو، لبعد میں وہ حالات

"اس آیت کی رُو سے ہمارے لیے کسی طرح جائز نہیں ہے کہ اگر کسی شخص یا گروہ یا ملک سے ہمارا معاہدہ ہو اور ہمیں اس کے طرزِ عمل سے یہ شکایت لاحق ہو جائے کہ وہ عہد کی پابندی میں کوتاہی برت رہا ہے، یا یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ موقع پاتے ہی ہمارے ساتھ غداری کر بیٹھے گا تو ہم اپنی جگہ خود فیصلہ کر لیں کہ ہمارے اور اس کے درمیان معاہدہ نہیں رہا اور یکایک اس کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کرنا شروع کر دیں جو معاہدہ نہ ہونے کی صورت ہی میں کیا جا سکتا ہو۔ اس کے برعکس ہمیں اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو ہم کوئی مخالفانہ کارروائی کرنے سے پہلے فریقِ ثانی کو صاف صاف بتا دیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اب معاہدہ باقی نہیں رہا، تاکہ فسخِ معاہدہ کا جیسا علم ہم کو حاصل ہے ویسا ہی اس کو بھی ہو جائے اور وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ معاہدہ اب بھی باقی ہے۔ اسی فرمانِ الٰہی کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بین الاقوامی پالیسی کا یہ مستقل اصول قرار دیا تھا کہ "من کان بینہ وبین قوم عھد فلا یحلن عقدہ حتی ینقضی امدھا او ینبذ الیھم علی سواء" جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو اسے چاہیے کہ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے عہد کا بند نہ کھولے۔ یا نہیں تو ان کا عہد برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی طرف پھینک دے۔" پھر اسی قاعدے کو آپ نے اور زیادہ پھیلا کر تمام معاملات میں عام اصول یہ قائم کیا تھا کہ: لا تخن من خانک "جو تیری خیانت کرے تو اس کی خیانت نہ کر" اور یہ اصول صرف وعظوں میں بیان کرنے اور کتابوں کی زینت بننے کے لیے نہ تھا بلکہ عملی زندگی میں بھی اس کی پابندی کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب امیر معاویہ نے اپنے عہد بادشاہی میں سرحد روم پر فوجوں کا اجتماع اس غرض سے کرنا شروع کیا کہ معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی یکایک رومی علاقہ پر حملہ کر دیا جائے تو ان کی اس کارروائی پر عمرو بن عَنْبَسہ صحابی نے سخت احتجاج کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی حدیث سنا کر کہا کہ معاہدہ کی مدت کے اندر یہ معاندانہ طرزِ عمل اختیار کرنا غداری ہے۔ آخر کار امیر معاویہ کو اس اصول کے آگے سر جھکا دینا پڑا اور سرحد پر اجتماعِ فوج روک دیا گیا۔

یک طرفہ فسخِ معاہدہ اور اعلانِ جنگ کے بغیر حملہ کر دینے کا طریقہ قدیم جاہلیت میں بھی تھا اور زمانۂ حال کی مہذب جاہلیت میں بھی اس کا رواج موجود ہے۔ چنانچہ اس کی تازہ ترین مثالیں جنگِ عظیم ثانی میں روس،

بدل گئے ہوں اور اب اسلامی حکومت کے اربابِ حل و عقد کی رائے میں اس معاہدے کا قائم و بحال رہنا

پُر جرمنی کے حملے اور ایران کے خلاف روس و برطانیہ کی فوجی کارروائی میں دیکھی گئی ہیں۔ عموماً اس کارروائی کے لیے یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ حملہ سے پہلے مطلع کر دینے سے دوسرا فریق ہوشیار ہو جاتا اور سخت مقابلہ کرتا، یا اگر ہم مداخلت نہ کرتے تو ہمارا دشمن فائدہ اٹھا لیتا۔ لیکن اس قسم کے بہانے اگر اخلاقی ذمہ داریوں کو ساقط کر دینے کے لیے کافی ہوں تو پھر کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی بہانے نہ کیا جا سکتا ہو۔ ہر چور، ہر ڈاکو، ہر زانی، ہر قاتل، ہر جعلساز اپنے جرائم کے لیے ایسی ہی کوئی مصلحت بیان کر سکتا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ بین الاقوامی سوسائٹی میں قوموں کے لیے اُن بہت سے افعال کو جائز سمجھتے ہیں جو خود ان کی نگاہ میں حرام ہیں جبکہ ان کا ارتکاب قومی سوسائٹی میں افراد کی جانب سے ہو۔

اس موقع پر یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ اسلامی قانون صرف ایک صورت میں بلا اطلاع حملہ کر دینے کو جائز رکھتا ہے، اور وہ صورت یہ ہے کہ فریقِ ثانی علی الاعلان معاہدہ کو توڑ چکا ہو اور اس نے صریح طور پر ہمارے خلاف معاندانہ کارروائی کی ہو۔ ایسی صورت میں یہ ضروری نہیں رہتا کہ ہم اسے آیت مذکورہ بالا کے مطابق فسخِ معاہدہ کا نوٹس دیں۔ بلکہ ہمیں اس کے خلاف بلا اطلاع جنگی کارروائی کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ فقہائے اسلام نے یہ استثنائی حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے نکالا ہے کہ قریش نے جب بنی خزاعہ کے معاملہ میں صلحِ حُدیبیہ کو علانیہ توڑ دیا تو آپ نے پھر انہیں فسخِ معاہدہ کا نوٹس دینے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی، بلکہ بلا اطلاع مکہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن اگر کسی موقع پر ہم اس قاعدۂ استثناء سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو لازم ہے کہ وہ تمام حالات ہمارے پیشِ نظر رہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کارروائی کی تھی، تاکہ پیروی ہو تو آپ کے پورے طرزِ عمل کی ہو نہ کہ اس کے کسی ایک مفید مطلب جزء کی۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ:

اولاً، قریش کی خلاف ورزیِ عہد ایسی صریح تھی کہ اس کے نقضِ عہد ہونے میں کسی کلام کا موقع نہ تھا۔ خود قریش کے لوگ بھی اس کے معترف تھے کہ واقعی معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔ انہوں نے خود ابو سفیان کو تجدیدِ عہد کے لیے مدینہ بھیجا تھا جس کے صاف معنی یہی تھے کہ ان کے نزدیک بھی عہد باقی نہیں رہا تھا۔ تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ ناقضِ عہد قوم کو خود بھی اپنے نقضِ عہد کا اعتراف ہو، البتہ یہ ضروری ہے کہ نقضِ عہد بالکل صریح اور غیر مشتبہ ہو

قوم کے لیے نقصان دہ ہے، اور اس کے ذریعے سے جو تحفظات اور منافع حاصل ہو رہے ہوں، اُن سے بدرجہا زیادہ اس سے مفاسد و مضرات پیدا ہو رہے ہوں۔ اس صورت میں اسلامی حکومت پر واجب ہے کہ وہ معاہدہ کو فسخ کر دے اور اس کی اطلاع معاہد قوم تک پہنچا دے۔ ذیل کی آیت سے اس امر کی رہنمائی ملتی ہے:

واذان من اللہ و رسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریٔ من المشرکین و رسولہ۔ (التوبہ ۳)	اطلاع عام ہے، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن تمام لوگوں کے لیے کہ اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی۔

ص۔ ثانیاً، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے عہد ٹوٹ جانے کے بعد پھر اپنی طرف سے صراحتہً یا اشارۃً یا کنایۃً ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے یہ ایما نکلتا ہو کہ اس بد عہدی کے باوجود آپ ابھی تک اُن کو ایک معاہد قوم سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ آپ کے معاہدانہ روابط اب بھی قائم ہیں۔ تمام روایات بالاتفاق یہ بتاتی ہیں کہ جب ابوسفیان نے مدینہ آکر تجدید معاہدہ کی درخواست پیش کی تو آپ نے اُسے قبول نہیں کیا۔

ثالثاً، قریش کی جنگی کارروائی آپ نے خود کی اور کھلم کھلا کی۔ کسی ایسی فریب کاری کا شائبہ تک آپ کے طرزِ عمل میں نہیں پایا جاتا کہ آپ نے بظاہر صلح اور بباطن جنگ کا کوئی طریقہ استعمال فرمایا ہو۔

یہ اس معاملہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے، لہٰذا آیتِ مذکورہ بالا کے حکم عام سے ہٹ کر اگر کوئی کارروائی کی جاسکتی ہے تو ویسے ہی مخصوص حالات میں کی جاسکتی ہے اور اسی سیدھے سیدھے شریفانہ طریقہ سے کی جاسکتی ہے جو حضورؐ نے اختیار فرمایا تھا۔

مزید براں اگر کسی معاہد قوم سے کسی معاملہ میں ہماری نزاع ہو جائے اور ہم دیکھیں کہ گفت و شنید یا بین الاقوامی ثالثی کے ذریعہ سے وہ نزاع طے نہیں ہوتی، یا یہ کہ فریقِ ثانی اس کو بزور طے کرنے پر تُلا ہوا ہے تو ہمارے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ ہم اس کو طے کرنے میں طاقت استعمال کریں۔ لیکن آیت مذکورہ بالا ہم پر یہ اخلاقی ذمہ داری عائد کرتی ہے کہ ہمارا یہ استعمالِ طاقت صاف صاف اعلان کے بعد ہونا چاہیے اور کھلم کھلا ہونا چاہیے۔ چوری چھپے ایسی جنگی کارروائیاں کرنا جن کا علانیہ اقرار کرنے کے لیے ہم تیار نہ ہوں، ایک بداخلاقی ہے جس کی تعلیم اسلام نے ہم کو نہیں دی ہے۔" (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ ۱۵۵ نوٹ ۴۲)

(معاہدات کی منسوخی کا یہ اعلانِ عام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اُن تمام قبائل کے خلاف کیا گیا جو عہد و پیمان کے باوجود ہمیشہ اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اور موقع پاتے ہی پاس عہد کو بالائے طاق رکھ کر دشمنی پر اتر آتے تھے)

البتہ دوسری صورت میں اس امر کا لحاظ کیا جا سکتا ہے کہ اگر معاہدہ مدتِ معینہ کے ساتھ مقید ہو تو مدت پوری ہونے تک اس کی پابندی کی جائے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ۔ (التوبہ)

بجز اُن مشرکین کے جن سے تم نے معاہدے کیے پھر انہوں نے اپنے عہد کو پورا کرنے میں تمہارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی۔ اور نہ تمہارے خلاف کسی کی امداد کی، تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی مدتِ معاہدہ تک وفا کرو۔

یہ استثناء اسی مذکورۂ بالا اطلاعِ عام سے ہے۔ اور اسے جس شرط سے مشروط کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ معاہد قوم نے مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا کارروائی نہ کی ہو، بلکہ عہد کا پاس رکھا ہو۔ لیکن مجموعی طور پر مسلمانوں کو ان کے ساتھ بقائے معاہدہ میں فائدے سے زیادہ نقصان ہو، اس لیے معاہدہ کو درمیان میں منسوخ کر دینے کے بجائے اختتامِ مدت کا انتظار کیا جائے۔

معاہدات کے عقد و فسخ کے بارے میں اسلام کی یہ پالیسی اور اصول و ضوابط بین الاقوامی خیر سگالی اور امن و سلامتی کی فضا قائم رکھنے کی جو خوبیاں اپنے اندر مضمر رکھتے ہیں، وہ کسی منصف مزاج شخص سے مخفی نہیں ہیں۔ اگر مغربی تہذیب کے شیدائی ان اصول و ضوابط کا مطالعہ کریں اور اپنی پالیسیوں کو ان کے مطابق ڈھالیں تو بلاشبہ حرص و ہوا اور جوع الارض کے ہلاکت خیز طوفانوں اور ظلم و جور اور مکر و فریب سے بھرپور ڈپلومیسیوں کی وجہ سے دنیائے انسانیت پر جو پے در پے نکبت و ہلاکت کے دَورے پڑ رہے ہیں ان سے دنیا کو نجات مل سکتی ہے۔ اور ہر قوم اپنے طبعی حقوق سے متمتع ہونے کا موقع پا سکتی ہے۔ بلکہ اس سے خود علمبرداران تہذیب جدید کے دعاوی امن و فلاح بھی خلق خدا کی نگاہ میں اطمینان و یقین کا باعث ہو سکتے ہیں۔

(ترجمہ و ترتیب: خلیل احمد)